مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ۔ شخصیت وافکار

Mawlānā Shah Sa'eed Aḥmed Rai Purī: Personality & Thoughts

Prof. Dr. Saeed ur Rahman
Department of Islamic Studies
Bahauddin Zakariya University, Multan

ABSTRACT

Mawlānā Shah Sa'eed Aḥmed Rai Purī (1926-2012) is the famous personality of Sub-Continent. This was the time when the founder of Khanqah 'Aliyah Raḥimiyyah, Mawlānā Shah Abdul Raḥim Rai Purī had passed away almost seven years ago and Mawlānā Shah Abdul Qādir Rai Purī has become a vicegerent of Khanqah. At that time he was under the supervision and guidance of Mawlānā Shah Abdul Qādir Rai Purī that has made great impact on the personality and thoughts of Mawlānā Rai Purī. Mawlānā has never been a regular member of any political or religious party, however, contributed in preparation of manifesto of the Jamiat 'Ulama-e-Islāmi in Sargodhā in 1969. He also played his role in Taḥrik Khatm-e-Nabuwwat under the platform of Jami'at Talabāh Islām in 1974. He has established an organization for the religious scholars and graduates in Multān in 1987 as "Tanẓīm Fikr Walīyullahī" and in 2001 "Idārah Raḥimiyyah Ulum-e-Qur'āniyyah" was established for educating and training the students. The current paper highlights salient features of the life of Mawlānā Shah Sa'eed Aḥmed Rai Purī, characteristics of his personality and also discusses his thoughts.

Keywords: *Mawlānā Shah Sa'eed Aḥmed Rai Purī, Khanqah 'Aliyah Raḥimiyyah, Idārah Raḥimiyyah, Taḥrik Khatm-e-Nabuwwat.*

مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ رجب ۱۳۴۴ھ بمطابق جنوری ۱۹۲۶ء اپنے آبائی وطن گمتھلہ ضلع کرنال (متحدہ ہندوستان) میں مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ (۱۹۰۵ء-۱۹۹۲ء) کے گھرانہ میں پیدا ہوئے۔ یہ وقت ہے کہ خانقاہ عالیہ رحیمیہ کے بانی مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ (۱۸۵۳ء-۱۹۱۹ء) کے وصال کو قریب سات سال گزر چکے تھے اور خانقاہ رائے پور کی مسند پر حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ (۱۸۷۳ء-۱۹۶۲ء) رونق افروز تھے۔ چونکہ آپ کے والد حضرت رائے پوری ثانیؒ کی خدمت میں ہر وقت حاضر رہتے تھے، اس لئے آپ کا نام بھی انہوں نے ''سعید احمد'' تجویز کیا۔ آپ اپنے نام کی طرح سعید (مبارک) تھے، گویا اسم بامسمّٰی تھے۔[1]

آپ کے والد محترم مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ ایک طرف تو دین کی جامعیت کے حامل بزرگ تھے تو دوسری طرف انہوں نے حلال رزق کے حصول کے لئے زراعت کا شغل بھی اپنار کھا تھا اور اپنی آبائی زمینوں پر کاشتکاری سے حاصل ہونے والی رقم اپنے اور اپنی اولاد پر خرچ کرتے تھے۔ مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کی صلاحیتوں کو پرکھتے ہوئے ان کے شیخ اور والد کی خصوصی توجہات نے جہاں انہیں ولی اللّٰہی فکر کے فروغ کے لئے تیار کیا وہاں اس خطہ میں بسنے والے کسانوں، کاشتکاروں اور مزدوروں کے حقیقی مسائل کا ادراک بھی ان میں پیدا کیا جو بعد میں ان کی فکر کا ایک جزو بن گیا۔ آپ کے بچپن کے ابتدائی پانچ سال اپنے آبائی گاؤں ''گمتھلہ'' میں گزرے، البتہ کبھی کبھار والدہ کے ہمراہ ننھیالی گاؤں ''سکروڑھ'' بھی تشریف لے جاتے رہے۔ تاہم والدہ کے انتقال کے بعد آپ کے والد آپ کو خانقاہ عالیہ رحیمیہ رائے پور لے آئے کیونکہ ان کا زیادہ وقت اسی خانقاہ میں گزرتا تھا۔ اللہ کی حکمت کہ ایک طرف تو والدہ کا سایہ شفقت اٹھا تو دوسری طرف اس کے نعم البدل کے طور پر والد محترم کے ساتھ حضرت رائے پوری ثانیؒ کی مستقل صحبت اور شفقت نصیب ہوئی جس نے آپ کے فکر و عمل اور شخصیت پر بڑے گہرے اثرات مرتب کیے۔

گمتھلہ اور سکروڑھ میں ابتدائی تعلیم کے مراحل سے گزر کر آپ براہ راست حضرت رائے پوری ثانیؒ کی نگرانی و سرپرستی میں خانقاہ رائے پور تشریف لے آئے۔ یہاں پر آپ نے اپنے والد محترم سمیت جیّد اساتذہ کرام سے درسی کتب پڑھیں۔[2]

''حزب الانصار'' میں شمولیت

ولی اللّٰہی جماعت کے تیسرے دور میں حضرت مولانا محمود الحسن (۱۹۲۰ء برصغیر کی آزادی کی تحریک ریشمی رومال کے بانی تھے جس کی بناء پر خلافت کمیٹی نے انہیں شیخ الہند کا لقب دیا تھا) نے نوجوانوں میں کام کرنے اور عصری و دینی علوم کے حاملین میں اشتراک فکر و عمل کی جو پالیسی اپنائی تھی وہ جاری تھی کہ ۱۳۴۵ھ میں مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ حج کے لیے حجاز تشریف لے گئے تو مولانا عبیداللہ سندھیؒ (۱۹۴۴ء) سے خصوصی ملاقات کی۔ مولانا سندھیؒ نے مولانا رائے پوریؒ سے نوجوانوں میں کام کرنے کے حوالے سے ولی اللّٰہی جماعت کی پالیسی کی عملی تشکیل کے حوالے سے بات کی۔ حضرت رائے پوری ثانیؒ نے اس کام کے لیے واپس آکر میدان ہموار کیا حتی کہ ''حزب الانصار'' کے نام سے نوجوانوں کی ایک سیاسی تبلیغی جماعت ۱۳۵۷ھ میں رائے پور ہی میں قائم کی، جس کے صدر مولانا حبیب الرحمٰن رائے پوریؒ (شاگرد مولانا سندھیؒ) بنائے گئے۔[3]

مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ جو کہ ابھی نوعمر طالب علم تھے انہوں نے ایک کارکن کی حیثیت سے اس جماعت میں شمولیت اختیار کی۔ ''حزب الانصار'' کے اغراض و مقاصد سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مقصد نوجوانوں میں دین کی جامعیت کا فہم و شعور پیدا کرنا اور اس حوالے سے عملی جدوجہد میں حصہ لینا تھا۔ اس جماعت میں شمولیت نے آپ میں سیاست کا عمدہ ذوق اور ولی اللّٰہی فلاسفی کی عملی و عصری تطبیق کے حوالے سے سماجی زندگی کا گہرا شعور پیدا کیا اور آپ میں قومی بنیادوں پر جدوجہد کی انقلابی سوچ پیدا ہوئی، جس نے مستقبل کے حوالے سے آپ کا راہِ عمل متعیّن کر دیا۔ چنانچہ نوجوانوں میں کام کرنے کے حوالے سے بعد میں آپ نے جو حکمت عملی اختیار کی اور جس کے لیے تمام عمر جدوجہد کرتے رہے، وہ ''حزب الانصار'' کے اغراض و مقاصد سے بہت گہرا تعلق رکھتی ہے۔ ''حزب الانصار'' کے ساتھ ساتھ آپ نے 1946ء کے الیکشن میں جمیعۃ علماء کے لئے بھی بھرپور جدوجہد کی۔[4]

درسِ نظامی کی تکمیل

آپ نے ''جلالین'' تک درس نظامی کی کتب رائے پور میں رہ کر پڑھیں، اسی دوران ۱۳۶۶ھ بمطابق ۱۹۴۷ء برصغیر تقسیم ہو کر پاکستان کی مملکت وجود میں آئی اور آپ کے والدِ محترم، اپنے شیخ حضرت رائے پوری ثانیؒ کے حکم پر پاکستان تشریف لے آئے۔ تاہم مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ، حضرت رائے پوری ثانیؒ کی خدمت میں رہے جن کا ارادہ یہ تھا کہ ان کے درسِ نظامی کے تکمیل کے آخری دو سال مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور میں مکمل ہوں۔ مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور میں تعلیم کے آغاز کے بعد آپ کے استاد محترم، مفتی سعید احمد صاحب (صدر مفتی مظاہر العلوم) آپ کے والد کے نام ایک مکتوب گرامی لکھتے ہیں کہ:

''عزیز سعید احمد اس ماہ میں مدرسہ میں داخل ہوگئے ہیں۔ مشکوٰۃ ہدایہ، جلالین میں شریک ہیں۔ ماشاءاللہ اسم با مسمّٰی اور ہونہار بچہ ہے۔''[5]

مدرسہ مظاہر العلوم میں تعلیم کے دوران آپ کا قیام و طعام مدرسہ کے شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کے گھر پر رہا۔

حضرت رائے پوری ثانیؒ کی تربیت میں

درس نظامی کی تکمیل کے بعد آپ اپنے مرشد مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کے پاس واپس رائے پور تشریف لے آئے۔ شوال ۱۳۶۸ھ بمطابق اگست ۱۹۴۹ء میں عیدالفطر کے بعد آپ کے استاد شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ رائے پور آئے اور حضرت رائے پوری ثانیؒ سے عرض کیا کہ:

> ''مولوی سعید احمد کو مزید ایک سال کے لئے مجھے دے دیں تاکہ تکمیل (منطق، فلسفہ وغیرہ علوم) میں وقت لگائیں''۔ اس پر حضرت نے فرمایا: ''ہم نے جتنا اپنے برخوردار مولوی سعید احمد کو پڑھانا تھا پڑھا لیا، اس سے آگے نہیں پڑھانا۔ ہم نے کوئی اسے محض مدرس نہیں بنانا ہے۔''

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کے واپس تشریف لے جانے کے بعد حضرت رائے پوری ثانیؒ نے مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کو اپنی طرف مخاطب کرکے یہ شعر پڑھا:

پڑھ پڑھ ہوئے پتھر لکھ لکھ ہوئے چور
جس پڑھنے سے مولا ملے وہ پڑھنا کچھ اور[6]

بہر حال یوں آپ کی ظاہری تعلیم کے بعد حضرت رائے پوری ثانیؒ کی زیر سرپرستی باطنی تعلیم کا باقاعدہ سلسلہ شروع ہوا اور ۱۹۴۹ء تا ۱۹۵۰ء سلوک کی تکمیل کی اور یوں ظاہری تعلیم کے ساتھ ساتھ باطنی تعلیم یعنی تزکیہ نفس اور اس کے ساتھ ساتھ ولی اللّٰہی فکر کو بھی مکمل اخذ کیا۔ اگرچہ سلسلہ رائے پور کے معمولات آپ نے بہت پہلے سے شروع کر رکھے تھے لیکن فراغت کے بعد آپ نے پوری یکسوئی کے ساتھ اپنا وقت مسلسل حضرت رائے پوری ثانیؒ کی صحبت اور اذکار کی مداومت میں گزارا۔

خانقاہ عالیہ رحیمیہ قادریہ رائے پور عرفِ عام میں خانقاہ تھی، جہاں ذکر الٰہی کے زمزمے بلند ہوتے تھے، مگر حقیقت میں وہ اتباعِ شریعت کو انسانی قالب سے قلب تک منتقل کرنے کی تربیت گاہ بھی تھی اور معاشرے پر مسلط انگریز سامراج کی دسیسہ کاریوں کے خلاف ذہنوں کو جلا دینے والا متحرک مرکز بھی تھا۔ جہاں آزادی خواہ شخصیات جمع ہوتیں اور شیخ طریقت کی روحانی تربیت کے ساتھ ساتھ

سیاسی بصیرت اور اجتماعی شعور سے بھی فیض یاب ہوتیں۔ اس خانقاہ میں ذکرِ خداوندی کی صدائیں، روحانی تربیت کے ساتھ ساتھ انسانی سماج کے فرعونوں اور قارونوں کے خلاف حق کی بالادستی کی دعوت بھی دیتی تھیں۔ خانقاہ میں سیاسی امور پر گفتگو کو روحانیت کے لئے مضر تصور نہیں کیا جاتا تھا، بلکہ شیخ طریقت کے ہاں ملک میں آزادی کی جدوجہد اور انگریز کے جانے کے بعد کے نظام کی تشکیل کے بارے میں گہرا غور وخوض پایا جاتا تھا اور وہ لوگوں کی اخلاقی تربیت اور روحانی اخلاص کے فروغ کے لئے معاشرتی امن، سیاسی استحکام اور معاشی عدل کو ناگزیر تصور کرتے تھے۔ چنانچہ خانقاہ میں آنے والا کوئی فرد روحانیت کے ماحول میں سیاست کو اجنبی تصور کرنے کا خیال بھی زبان پر لاتا تو شیخ طریقت شعوری طور پر سیاسی گفتگو میں دلچسپی لے کر اس پر اس خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور کے کردار کو واضح کرتے اور یوں سیاست کے غیر دینی ہونے کی سوچ اپنی جگہ مرجھا کر رہ جاتی۔

شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کو خانقاہ میں اعلیٰ درجے کی علمی، روحانی اور سیاسی قیادت کو قریب سے دیکھنے اور سمجھنے کا موقع ملا۔ اس قیادت کو انہوں نے اپنے شیخ سے تبادلہ خیالات کرتے اور ان کی صحبت و بصیرت سے استفادہ کرتے پایا۔ یہ اپنے دور کی چنیدہ قیادت تھی۔ اس کا ایک ایک فرد بڑے بڑے اجتماعات اور جماعتوں پر بھاری تھا، جن کی شبانہ روز مساعی کے بغیر برعظیم کی آزادی کا خواب شرمندہ تعبیر ہونے کی منزل سے کوسوں دور تھا۔ یہ وہ شخصیات تھیں، جو ایک طرف حصولِ آزادی کے لئے شعلہ جوالہ تھیں تو دوسری طرف عصری تقاضوں کی شناور بھی تھیں۔ ان کی نظر میں دین اسلام کی تعلیمات رجعت پسندی، انتہاپسندی، فرقہ واریت اور طبقاتیت پر مبنی کسی بھی فکر اور نظام کے بالمقابل ترقی پسند اور انسان دوست نظام کی نقیب ہیں۔[7]

حضرت رائے پوری ثانیؒ کو شاہ سعید احمد رائے پوریؒ پر اس درجہ اعتماد تھا کہ اگست ۱۹۴۷ء میں جبکہ آپ ابھی طالب علمی میں تھے، خانقاہ رائے پور کی مسجد کا امام مقرر فرمایا اور آپ کو حضرت رائے پوری ثانیؒ سمیت خانقاہ میں آنے والے وقت کے جید علماء کی موجودگی میں امامت کا اعزاز ملا۔ مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ سمیت اپنے وقت کے جید علماء نے نہ صرف آپ کی اقتداء میں نماز ادا کی بلکہ جمعۃ المبارک کا خطبہ بھی سنا جس سے آشکار ہوتا ہے کہ حضرت رائے پوری ثانیؒ سمیت ولی اللّٰہی جماعت سے منسلک ان علماء کو آپ پر مکمل اعتماد تھا۔ مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی (ثانی) لکھتے ہیں کہ :

> ”جہاں امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری، حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی، حضرت مولانا محمد منظور نعمانی، مولانا مسعود علی آزاد اور خود مولانا سعید احمد کے والد حضرت مولانا عبدالعزیز رائے پوری جیسی شخصیات موجود ہوتیں پھر مولانا سعید احمد کو ممبر رسول پر کھڑا کر نا دینا بزرگوں کی طرف سے اعزاز کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔“[8]

اجازت وخلافت: حضرت رائے پوری ثانیؒ کو آپ کی استعداد اور صلاحیت پر بڑا اعتماد تھا اور اپنی مجالس میں خصوصی طور پر آپ کا نام لے کر تعریف وتوصیف فرمایا کرتے تھے اس لیے آپ نے ۱۹۵۰ء میں جبکہ آپ کی عمر ۲۴ سال تھی۔ آپ کو اجازت وخلافت سے سرفراز فرمایا۔[9] ۱۳۷۰ھ بمطابق ۱۹۵۱ء میں جب آپ سرگودھا (پاکستان) مستقل قیام کے لئے تشریف لے آئے تو حضرت رائے پوری ثانیؒ نے اپنے متعلقین بالخصوص نوجوانوں کو ان کی صحبت وتربیت میں رہنے کا کہہ کر اپنے حلقہ میں ان کا اعتماد بڑھاتے رہے۔

آپ کو اپنے شیخ مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ سے والہانہ محبت تھی اور ہر وقت ان کی خدمت میں موجود رہتے۔ اس خدمت نے آپ میں عجز وانکساری کی صفات پیدا کیں۔ آپ نے اپنے شیخ کی تیس سالہ رفاقت میں کوئی کام ان کی منشاء کے بغیر نہیں کیا۔ پاکستان تشریف لانے کے بعد بھی آپ حضرت رائے پوری ثانیؒ کے پاکستانی اسفار میں ہم رکاب اور ہم سفر رہے۔ ۱۳۷۲ھ بمطابق ۱۹۵۳ء میں پاکستانی شہریت ملنے کے بعد جب پہلا پاسپورٹ ملا تو اس کے بعد رائے پور آنے جانے کا سلسلہ مستقل رہا۔ آپ نے تقریباً ۳۰ سال کا عرصہ (۱۹۳۲ء تا ۱۹۶۲ء) حضرت رائے پوری ثانیؒ کی صحبت میں گزارا۔ اس پورے عرصے میں مشائخ رائے پور کے فکر وعمل اور جہد و کردار کا انتہائی قریب سے مشاہدہ کیا اور اسے شعوری طور پر بخوبی سمجھا۔ حضرت رائے پوری ثانیؒ نے ولی اللّٰہی فکر کے حوالے سے نوجوانوں میں دین کا شعوری کام کرنے اور انہیں نام نہاد اسلامی جماعتوں کے اثرات سے محفوظ رکھنے اور درست سمت پر ان کی رہنمائی کرنے کے لئے آپ کی تربیت فرمائی تھی اور آپ کو سکولز اور کالجز کے نوجوانوں میں کام کرنے کا حکم دیا تھا۔ جسے آپ نے تادم آخر نبھایا۔ آپ نے اپنے شیخ کے وصال (۱۹۶۲ء) تک اس فلسفے کو مکمل طور پر سمجھا اور اخذ کیا، نیز اپنے دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کے لئے اس فکر کو نئی جہت دی۔[10]

حضرت رائے پوری ثالثؒ کی خدمت میں

۱۳۸۱ھ بمطابق ۱۹۶۲ء میں حضرت رائے پوری ثانیؒ کا وصال ہو گیا اور ان کی وصیت کے مطابق آپ کے والد گرامی مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ کو خانقاہ رائے پور کا مسند جانشین بنایا گیا تو آپ نے ان کی خدمت میں بھی کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اور ان کی صحبت میں رہ کر دین کے غلبہ کے لئے جدوجہد کی۔ حضرت رائے پوری ثانیؒ کے وصال کے بعد آپ نے ۳۰ سال (۱۹۶۲ء تا ۱۹۹۲ء) اپنے والد اور مرشد مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ کی صحبت میں وقت گزارا اور ان کی رہنمائی اور مکمل سرپرستی میں ولی اللّٰہی فکر کو ایک نئے دور میں داخل کرنے اور اس فکر کی بنیاد پر اجتماعی جدوجہد کی مساعی کی۔ چنانچہ آپ نے اپنے دونوں شیوخ سے کامل ۶۰ سال تک فیض پایا اور اس دوران ولی اللّٰہی جماعت فکر اور مشائخ رائے پوری کی تربیت نے آپ کی ذات بابرکات کو مجسّمہ فکر وعمل اور نمونہ جہد و کردار بنا دیا۔ آپ کو اپنے دونوں شیوخ کا مکمل اعتماد اور سرپرستی ہمیشہ حاصل رہی۔[11]

آپ نے خالصہ کالج (فیصل آباد) میں حضرت رائے پوری ثانیؒ کے قیام رمضان کے دوران ان کے حکم پر زرعی یونیورسٹی فیصل آباد اور دیگر عصری تعلیمی اداروں کے تعلیم یافتہ نوجوانوں میں تربیتی و فکری عمل کا آغاز کیا جبکہ اس سے قبل گورنمنٹ کالج سرگودھا کے طلباء میں آپ کام شروع کر چکے تھے۔

ولی اللّٰہی جماعت کے تاریخی تسلسل اور حضرت رائے پور ثانیؒ کے حکم کی روشنی میں آپ نے ۱۹۶۱ء سے نوجوانوں کی فکری تربیت کے جس کام کا آغاز کیا تھا، وہ سات سال تک آپ کی مسلسل جدوجہد سے چلتا رہا۔ تاہم وقت آگیا تھا کہ اس کام کو اب منظّم شکل دی جائے۔ چنانچہ آپ نے ۱۲ مارچ ۱۹۶۷ء میں ایک تنظیم قائم کی جس میں مذہبی وعصری تعلیمی اداروں کے طلباء کی فکری تربیت کے کام کو تنظیمی شکل دے کر ان کے لئے سماجی جدوجہد کا ایک باقاعدہ پلیٹ فارم مہیا کیا۔ اس تنظیم کی ضرورت درج ذیل وجوہات کی بناء پر پیش آئی۔

(الف) ملک میں سیاسی جماعتیں عصری تعلیمی اداروں کے طلباء کی ذیلی تنظیمیں قائم کر کے سامراجی عزائم کے لئے انہیں استعمال کر رہی تھیں۔ ایسے میں ضرورت تھی کہ طلباء کو صحیح فکر اور نظریہ دیا جائے۔

(ب) آزادی پسند علماء حق کے بارے میں نفرت پیدا کرنے اور نوجوانوں کو گمراہ کرنے کا سلسلہ جاری تھا۔ چنانچہ ضرورت تھی کہ نوجوانوں کو آزادی کے صحیح مفہوم اور حقیقی قائدین سے روشناس کروایا جائے۔

(ج) عصری تعلیمی اداروں کے نوجوان نام نہاد اسلامی جماعتوں اور مغرب کے تعلیم یافتہ اساتذہ کے زیر اثر تھے۔ اسی طرح سوشلزم کے مقابلہ میں سرمایہ داری نظام کی حمایت کر کے نوجوانوں کو گمراہ کیا جارہا تھا۔ چنانچہ ضرورت اس بات کی تھی کہ نوجوانوں کی درست سمت پر رہنمائی کر کے انہیں سامراجی مقاصد کے لئے استعمال نہ ہونے دیا جائے۔[12]

آپؒ کسی سیاسی یا مذہبی جماعت کے کبھی باقاعدہ رکن نہیں رہے تاہم ۲۶تا۲۸ستمبر ۱۹۶۹ء، جب سرگودھا میں ''جمعیت علماء اسلام'' کے منشور کی تدوین کے حوالے سے اہم اجلاس ہوا تو اس کی تدوین و تشکیل میں آپ نے خصوصی دعوت پر نمایاں کردار ادا کیا۔ آپؒ نے اس منشور میں کسانوں، مزدوروں اور غریب لوگوں کے حقوق کے حوالے سے انقلابی دفعات شامل کرانے میں اپنا عملی و فکری تعاون پیش کیا۔[13]

یہ وہ دور تھا جبکہ روس کے سوشلسٹ انقلاب سے متاثر ہو کر کئی سیاسی جماعتیں سوشلزم کے نعرے بلند کر رہی تھیں، ایسے میں آپؒ نے غریب مزدور اور کسان کے حق میں اصولی رہنمائی کر کے دینی شعور کے عصری تقاضوں کی نشاندہی کی۔ چنانچہ ۱۳۸۹ھ بمطابق ۱۹۷۰ کے الیکشن میں اس وقت کی ''جمعیت علماء اسلام'' نے انہی انقلابی دفعات کی بناء پر نمایاں کامیابی حاصل کی اور رائے دہندگان کی تعداد کے لحاظ سے پاکستان پیپلز پارٹی کے بعد ملک کے مغربی حصہ (موجودہ پاکستان) میں دوسری بڑی جماعت کے طور پر ابھر کر سامنے آئی۔

تحریکِ ختم نبوت میں کردار

شاہ سعید احمد رائے پوریؒ دیگر اکابرینِ اسلام کی طرح ''قادیانیت'' کو انگریز سامراج کا خود کاشتہ پودا قرار دیتے تھے۔ چنانچہ آپ نے ''جمعیت طلباء اسلام'' کے نوجوانوں کی سرپرستی کرتے ہوئے اس فتنے کی بیخ کنی میں نمایاں کردار ادا کیا۔ ۱۳۹۴ھ بمطابق ۱۹۷۴ء میں جب ''تحریکِ ختم نبوت'' اپنے زوروں پر تھی۔ آپ نے کالجز کے نوجوانون میں اس تحریک کی اہمیت کا شعور پیدا کیا اور انہیں عدم تشدد کی حکمت عملی کے ساتھ اس فتنہ کے خلاف شدید مزاحمت کرنے اور علماء حق کا ساتھ دینے کا جذبہ پیدا کیا۔ اس سلسلے میں آپ اور آپ کے نوجوان ساتھیوں کو بہت سے مقدمات کا سامنا کرنا پڑا مگر انتہائی مشقت اور تکلیف کے باوجود پورے صبر واستقامت کے ساتھ مسئلہ ختم نبوت کی آئینی کامیابی میں بھرپور کردار ادا کیا۔[14]

۱۹۸۷ء میں جب طلباء کے ساتھ ساتھ اپنی رسمی تعلیم مکمل کر کے عملی زندگی میں داخل ہونے والے حضرات کی اجتماعیت کو ایک تشخص دینے کے لئے ایک تنظیم اور جماعت کی ضرورت پیدا ہوئی تو آپ نے ۱۹تا۲۱فروری۱۹۸۷ء کو ملتان میں علماء اور فضلاء کے ایک اجلاس میں ''تنظیم فکرِ ولی اللّٰہی'' قائم کی۔ اس تنظیم نے دینی و عصری تعلیمی اداروں کے طلباء اور فاضلین کو منظم کیا اور ان میں انسانی بنیادوں پر اجتماعی جدوجہد کی اہمیت کو اجاگر کیا۔ آپؒ نے ۱۹۸۷ء تا ۲۰۱۲ء تک تقریباً ۲۵ سالہ عرصہ میں ولی اللّٰہی فکر کی اساس پر قائم ہونے والی اس اجتماعیت کو انتہائی منظم شکل دے کر ایک قابل ذکر کارنامہ سرانجام دیا۔ آپ عام علماء کی روش سے ہٹ کر عوامی رابطہ بحالی کے ذریعہ ہر اس شخص اور ہر اس مقام تک پہنچے جس سے آپ کو اعلیٰ مقاصد کے حصول کی کچھ بھی امید تھی اور اس حوالے سے آپ نے اپنے

خانقاہی منصب کو اپنے نصب العین میں کبھی حائل نہیں ہونے دیا۔

آپؒ نے تنظیم فکر ولی اللّٰہی کا نصب العین تمام شعبہ ہائے حیات میں دین کے مکمل غلبہ کے ذریعے رضائے الٰہی کے حصول کے لئے قرآن وسنت کے احکامات کے مطابق علماء حق کی رہنمائی میں انفرادی اور اجتماعی زندگی کی تعمیر کرنا قرار دیا اور واضح کیا کہ علمائے حق شریعت، طریقت وسیاست کی دینی جامعیت کے حامل اہل بصیرت وعزیمت اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، ائمہ اربعہ، مجددین امت اور سلف صالحین رحمہم اللہ کی نقل کردہ تعبیر دین کے ترجمان ہوتے ہیں۔[15]

مسند نشینی

خانقاہ رائے پور کا عمومی مزاج رہا ہے کہ مسند نشینی کے حوالے سے صلاحیت اور استعداد کو خدمت اور نسبت پر ہمیشہ ترجیح دی جاتی ہے۔ چنانچہ آپ کی مسند نشینی کے معاملے میں بھی اس اصول کو پیش نظر رکھا گیا، اس وقت خانقاہ میں آپ سے زیادہ باصلاحیت اور جامع فرد کوئی اور موجود نہیں تھا اور نہ ہی کوئی ایسا فرد موجود تھا جس نے خانقاہ کے دو شیوخ کی ۶۰ سالہ صحبت اٹھائی ہو اور خانقاہ کے مزاج کا رمز شناس ہو۔ چنانچہ آپ کے والد اور شیخ ثانی مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ نے اپنی وفات سے تقریباً چار سال قبل ہی ۱۵ جنوری ۱۹۸۸ء بروز جمعۃ المبارک کو خانقاہ عالیہ رحیمیہ کی مسجد کے سامنے رائے پور (ضلع سہارنپور یوپی) کے وسیع میدان میں ہزاروں انسانوں کی موجودگی میں حضرت رائے پوری ثالثؒ نے بنفسِ نفیس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کی جانشینی کا اعلان فرمادیا تھا۔[16]

آپؒ نے اپنے اکابرین کے فکر پر چلتے ہوئے ان مدارس دینیہ اور مراکز علمیہ کی ہمیشہ سرپرستی فرمائی جو سرمایہ پرستی اور فرقہ وارانہ ماحول سے ہٹ کر مکمل یکسوئی اور کامل اخلاص ونیت سے نوجوانوں میں دین اسلام کی جامعیت کا بھرپور شعور بیدار کرنے کے لئے کام کر رہے تھے۔ ملک بھر میں پھیلے ہوئے تقریباً ۶۰ کے قریب مدارس کی سرپرستی فرماتے ہوئے آپ نے ان کے اغراض ومقاصد، نصاب وطریقہ تعلیم اور اہداف ومقاصد کو ولی اللّٰہی فکر کی اساس پر مرتب کرنے میں رہنمائی دی، چنانچہ ان مدارس کا الحاق آپ کی سرپرستی میں قائم ''نظام المدارس الرحیمیہ'' کے ساتھ ہوا، جس کا قیام ۱۴۲۲ھ/۲۰۰۲ء میں عمل میں لایا گیا تھا۔

ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ کا قیام

پاکستان کے معروضی حالات میں انگریز سامراج کے نوآبادیاتی نظام تعلیم نے دینی اور دنیاوی تعلیم کی تقسیم کے ذریعے جن مسائل کو جنم دیا ان کے حل کے لئے ان دونوں متوازی نظام ہائے تعلیم کے مقابلے میں ایک درمیانی راستہ نکال کر درست فکری خطوط پر نوجوانوں کی تعلیم وتربیت کی ضرورت ہمیشہ سے رہی جس پر اب تک کماحقہ توجہ نہیں دی جارہی جس کے سبب ملک میں فکری تقسیم گہری سے گہری ہوتی جارہی ہے، اس کام کی اہمیت کے پیش نظر آپ کی سرپرستی میں ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۱ء میں ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور کے نام سے ادارہ قائم کیا گیا، جس کے اہداف ومقاصد درج ذیل تھے۔

(الف) علوم قرآنیہ کی بنیادی اور حقیقی تعلیمات نوجوان نسل کے سامنے پیش کرنا۔

(ب) انسانی سماج کی تشکیل کے بنیادی علوم اور ان کے قرآنی اصول سے واقفیت بہم پہنچانا۔

(ج) علوم قرآنیہ کی اساس پر روحانی، اخلاقی اور شعوری تربیت کا اہتمام کرنا۔[17]

آپؒ کی زندگی میں ملک کے بڑے شہروں کراچی، سکھر، ملتان اور راولپنڈی میں ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ کے ریجنل کیمپس قائم کئے گئے اور اس ادارے کی مقبولیت کے پیش نظر اسے دیگر شہروں تک وسعت دینے کی مساعی جاری ہے۔

سفرِ آخرت

انتہائی مصروف اور کارآمد زندگی گزارنے کے بعد بالآخر مورخہ ۸ ذی قعدہ ۱۴۳۳ھ بمطابق ۲۶ ستمبر ۲۰۱۲ء بروز بدھ بوقت صبح، ۸۷ سال کی عمر میں لاہور میں آپ اپنے خالق حقیقی سے جاملے اور ولی اللّٰہی جماعت کی تاریخ کا یہ باب ہمیشہ کے لئے بند ہوگیا۔[18]

مولانا رائے پوریؒ کی فکری خصوصیات

صاحبِ بصیرت شخصیت

حکمت و بصیرت میں شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کا مقام و مرتبہ بہت بلند تھا۔ آپ کی گفتگو میں اس حدیث مبارک کی جھلکیاں پائی جاتی تھیں۔

اتقوا فراسة المومن فانه ينظر بنورالله[19] (مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔)

آپ کا تجزیہ گہری بصیرت کا حامل ہوتا تھا۔ آپ غلبہ دین کے لئے سیاسی بصیرت سے آگاہی کو ضروری خیال فرماتے تھے۔ اس حوالے سے جذباتیت اور مرعوبیت سے کوسوں دور تھے اور بڑے سے بڑے مجمع سے متاثر نہیں ہوتے تھے۔۔ آپؒ ان اشخاص میں سے نہ تھے جو ہوا کے رخ پر ہی پرواز کے عادی ہوتے ہیں بلکہ وہ اپنی حکمت و دانائی کے باوصف ہوا کے مخالف اڑنے میں زیادہ لطف محسوس کرتے تھے۔ وہ ملکی و غیر ملکی حالات و واقعات پر گہری نظر اور عمدہ تجزیہ رکھتے تھے اور ان کی خواہش ہوتی تھی کہ نوجوان بھی سامراج کے پروپیگنڈے سے متاثر اور مرعوب ہونے کی بجائے اپنے ذاتی تجزیے کی صلاحیت پیدا کرے اور وقتی وجذباتی حالات میں حکمت و بصیرت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے۔ مولوی سعد احمد خان لکھتے ہیں کہ:

''ایک دفعہ صبح نماز فجر کے بعد سرکاری حلقوں میں اثرورسوخ رکھنے والے ایک صاحب چند لوگوں کو لے کر حضرت جی کی خدمت میں آئے۔۔۔۔ ان صاحب نے حضرت جی سے کہا کہ اسلامی نظریاتی کونسل میں آئین کے لئے کچھ باتیں طے کی جارہی ہیں اور اس پر انہوں نے خوب لمبی چوڑی تقریر کی اور کہا کہ اس کے لئے ایک ارب روپے مختص ہیں۔ آپ اپنے ادارہ کے مفتیانِ کرام سے کہیں کہ اس پر کام کریں۔ حضرت جی نے بے ساختہ فرمایا: ''بھائی اس کام کے لئے کراچی کے مدرسوں کے بڑے بڑے مفتی ہیں، آپ یہ کام ان کے ذمے لگائیں، ہم تو صرف دعا ہی کر سکتے ہیں'' ان لوگوں کے جانے کے بعد حضرت جی آرام فرمانے لگے تو لیٹے لیٹے فرمایا کہ: بھائی ایسے لوگ ہی دراصل جماعتوں کو اصل کام سے ہٹا کر اپنے معاوضوں کا محتاج کر دیتے ہیں۔ یہ تو خانقاہ کی اور جماعت کی برکت ہے کہ اللہ پاک ہمیں اور جماعت کو ایسے لوگوں سے بچا کر رکھتا ہے۔''[20]

صبر واستقامت

شاہ سعید احمد رائے پوریؒ صبر واستقامت کے پیکر تھے۔ مشکل سے مشکل حالات اور بڑی سے بڑی مصیبت انہیں ان کے نصب العین اور مقاصد سے نہ ہٹا سکیں۔ سرمایہ پرست مذہبی طبقے کے نمائندوں نے سامراج کے آلہ کار کے طور پر جب آپ کی دینی حیثیت کو مشکوک

بنانے کی سعی نامشکور انجام دی، اپنے مذموم مقاصد کے حصول کے لئے فتویٰ بازی کا ہتھیار استعمال کیا اور سیاسی مخالفت کی آڑ میں بعض لوگ اس مذموم سازش کا حصہ بن کر اسے مذہبی جذباتیت اور شدت پسندی کا رخ دینا چاہتے تھے لیکن آپؒ نے اس عملِ قبیح پر نہ صرف خود صبر و تحمل سے کام لیا بلکہ نوجوانوں کو اشتعال اور جذباتیت سے دور رہنے اور فکر و شعور کی بنیاد پر ان حالات کا مقابلہ کرنے پر ابھارا۔ وہ سمجھتے تھے کہ سامراج پسند عناصر اس طرح کی بحثوں میں الجھا کر انہیں ان کے اعلیٰ نصب العین اور فکر و عمل سے دور رکھنا چاہتے ہیں لیکن وہ اس کا حصہ نہیں بنیں گے۔ سخت سے سخت ابتلاء و پریشانی میں اپ صبر و تحمل کا دامن نہ چھوڑتے۔ آپ کی زندگی مصائب و آلام سے پُر تھی، لیکن آپ کے چہرہ مبارک پر کبھی اس کے آثار نہ دیکھے گئے۔ اکثر آپ اپنی خوبصورت مسکراہٹ اور دلکش انداز سے اپنے اندر ضبط کر لیتے اور آپ کے قریب رہنے والے حضرات آپ کی اس صفت پر بہت متعجب بھی ہوتے اور متاثر بھی۔[21]

اجتماعیت کا غلبہ

آپ کی سوچ اور فکر پر اجتماعیت کا غلبہ تھا۔ ہر معاملے میں اجتماعی مفادات اور مصالح کو ترجیح دیتے اور اس کے برعکس انفرادی سوچ اور ذاتی مفادات کو سخت ناپسند فرماتے تھے۔ آپ ولی اللّٰہی فکر کی روشنی میں سوسائٹی کی اجتماعی ترقی کے لئے باہمی تعاون کو اساسی شرط قرار دیتے تھے جو کہ اجتماعیت کا لازمی تقاضہ ہے۔ اپنی زندگی میں حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ (بانی خانقاہ رحیمیہ) کی طرح اپنی کتب سمیت متعدد اشیاء ''ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ'' کے تصرف میں دے دی تھیں تاکہ ان سے اجتماعی طور پر فائدہ اٹھایا جاسکے۔ ادارے کے جس حجرے میں مقیم رہے اس کا باقاعدہ کرایہ ادا کرتے رہے، حالانکہ یہ ادارہ آپ ہی کی محنت اور جدوجہد سے وجود میں آیا تھا۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ: ''ایک فرد کی ذاتی محنت اگر اجتماعی سوچ سے خالی ہے تو اس سے کبھی تبدیلی نہیں آئے گی لیکن اجتماعی فکر اور سوچ کا حامل فرد جب اجتماعی فلاح و ترقی کے اصول پر محنت کرتا ہے تو معاشرہ حقیقی تبدیلی اور انقلاب کی طرف گامزن ہو جاتا ہے۔ انفرادی سوچ، خود پسندی پیدا کرتی ہے جبکہ اجتماعی سوچ، انسانیت کی خدمت کا جذبہ پیدا کرتی ہے۔''

اسی اجتماعی سوچ کا اثر تھا کہ آپ ہر معاملہ میں اپنے ساتھیوں سے مشاورت کرتے اور اجتماعی فیصلے پر عمل کرتے۔ بسا اوقات یوں ہوتا کہ آپ کسی مسئلہ میں اپنی بصیرت کے باوصف کسی حتمی نتیجہ پر پہنچ چکے ہوتے تھے لیکن اپنی جماعت کی تربیت کے نقطہ نظر سے انہیں اس مسئلہ میں غور و فکر کی دعوت دیتے۔[22]

احترام انسانیت کا عملی نمونہ

آپ کی ایک صفت یہ بھی تھی کہ کبھی کسی کی دل آزاری نہ فرماتے تھے ہمیشہ یہ کوشش کرتے کہ کسی کی حق تلفی نہ ہو اور ان کی ذات سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔ جناب آفتاب احمد عباسی ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہیں کہ:

''میرا ایک ہندو دوست تھا۔ ہم حضرت شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کے پاس سرگودھا گئے۔ حضرت نے وہاں پر کھانے کا اہتمام کیا، دستر خوان پر کھانا حضرت خود لگا رہے تھے، مجھے ایک طرف لے جا کر پوچھا یہ جو آپ کا ہندو دوست ہے، اس کے لئے میں نے سبزی پکوائی ہے لیکن یہاں دیگر مہمان بھی ہیں جن کے لئے گوشت پکایا گیا ہے۔ اگر اسی دستر خوان پر گوشت چنا جائے تو اس ہندو دوست کو نفرت یا کراہت تو نہیں آئے گی۔ مجھے اس وقت بہت حیرت ہوئی کہ حضرت دوسروں کے احساسات کا کتنا خیال رکھتے ہیں۔''[23]

مولانا سعد احمد خان لکھتے ہیں کہ :''حضرت جیؒ کے ساتھ ایک دعوت پر لاہور کے ایک دوست کی تقریبِ نکاح میں جاناہوا۔ وہاں کچھ بے پردگی کا ماحول تھا۔ واپس جب تشریف لائے اور آرام کے لئے لیٹے تو فرمانے لگے کہ : بھائی کسی کا دل نہ ٹوٹ جائے اس لئے جانا پڑتا ہے ورنہ ماحول کی خرابی کے اثرات کافی دیر تک دل پر رہتے ہیں اور فرمایا کہ ہمارا مقصد تو حوصلہ افزائی ہوتا ہے کیونکہ لوگ ہم سے محبت کرتے ہیں کہیں ان کا دل نہ ٹوٹ جائے۔''[24]

انسان دوستی

تاریخ شاہد ہے کہ برعظیم میں اسلام صوفیاء کی انسان دوستی کی بدولت برگ وبار لایا۔ ان صوفیاء نے گروہی تقسیم سے بالاتر ہو کر محض انسانیت کی بنیاد پر دین اسلام کے فروغ میں کردار ادا کیا۔ آپ اسی انسان دوستی کی صفت سے مرصع تھے اور ان کا فکر و فلسفہ اسی کے گرد گھومتا تھا۔ ان کی مجالس میں بیٹھنے سے گروہی تقسیم کے سامراجی عزائم سے نفرت پیدا ہوتی تھی اور انسان دوستی کے جذبات پیدا ہوتے تھے۔ انسان دوستی کا لازمی نتیجہ ہے کہ سماج میں موجود انسان دشمن عناصر کے خلاف مزاحمت کا جذبہ پیدا ہو۔ چنانچہ اُن کے مطابق جب معاشروں پر زوال آتا ہے تو ان میں سے اجتماعی انسانی سوچ ختم ہو جاتی ہے۔ اسلام اور انسان دوستی لازم و ملزوم ہیں، اس بناء پر ایک مسلمان اگر بنیادی حقوق کے حوالے سے انسانیت کی بجائے گروہی مفادات کو ترجیح دے تو اسے اپنے مسلمان ہونے پر از سرنو غور کرنا چاہیے۔[25]

آپ کا نظریہ انسانیت، قرآن کریم کی ان آیات کی اساس پر تھا جن میں یہ بتایا گیا ہے کہ تم سب ایک ہی جوڑے سے پیدا کئے گئے ہو۔ چنانچہ آپ انسانیت کی بھلائی اور اجتماعی ترقی کی بات کرتے تھے اور اس حوالے سے یہ نظریہ رکھتے تھے کہ جو لوگ ظلم کے سرپرست اور دنیا پر ظلم کا نظام قائم کرنا چاہتے ہیں ان کا تعلق خواہ کسی دین اور مذہب سے ہو وہ انسانیت کی اجتماعی ترقی میں رکاوٹ اور کل انسانیت کے دشمن ہیں۔ حضرتؒ ہمیشہ انسان دوستی اور باہمی اشتراک وعمل کی بات کرتے تھے اور اپنی زندگی اس کام میں لگادی۔ خود فرماتے تھے کہ

> ''اللہ رب العزت اس انسان کو عزیز رکھتے ہیں جو مخلوق کے ساتھ اخلاق سے پیش آئے، مخلوق کے ساتھ اس کو ہمدردی پیدا ہو جائے، مخلوق کے ساتھ خیر خواہی کا جذبہ اس میں پیدا ہو جائے۔ گویا دینِ حق کی تعلیم کا سب سے بڑا مقصد اللہ تعالیٰ سے تعلق جوڑ کر خدا کا خوف پیدا کر کے انسان میں اخلاقی بلندی پیدا کرنا ہے تاکہ اس سے انسانیت دوستی ظاہر ہو۔''[26]

حقیقت پسندی

شاہ سعید احمد رائے پوریؒ، مولانا عبیداللہ سندھی (۱۹۴۴ء) کی شخصیت، فکر اور جدوجہد کے بہت قدر دان تھے اور پاکستان میں ان کی انقلابی فکر کو متعارف کرانے میں آپ کا نمایاں کردار ہے، حتیٰ کہ ایک موقع پر مولانا سندھی کے مایہ ناز شاگرد مولانا غلام مصطفی قاسمی (سابق چیئرمین مرکزی ہلال کمیٹی وڈائریکٹر شاہ ولی اللہ اکیڈمی) نے آپ کی ان خدمات کے سبب آپ کو مولانا سندھی کا فکری جانشین قرار دیا، اسی پس منظر میں آپؒ کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ آپ عملیت پسند اور حقیقت پسند انسان تھے۔ آپ میں رومانویت، جذباتیت اور سطحیت نہیں تھی اور عملی جدوجہد کے حوالے سے آپ زمینی حقائق اور معروضی حالات کو ہمیشہ مدنظر رکھتے تھے۔ بعض دینی اور لادینی تحریکات جس اسلوب میں انقلاب کی بات کرتی تھیں، آپ ان کی جذباتیت اور حقائق سے پردہ پوشی کی مذمت فرماتے تھے۔ چنانچہ آپ کی سوچ یہ تھی کہ جو جماعتیں اور تحریکات انقلاب اور تبدیلی کی بات تو کرتی ہیں لیکن ان کے مفہوم اور تقاضوں سے ناآشنا ہیں اور زمینی حقائق

وعملیت پسندی کے بجائے محض جذباتیت اور رومانویت کے زیر اثر ہیں وہ بہت جلد سامراج کے مذموم مقاصد کے لئے استعمال ہو جاتی ہیں۔

آپ کا ذہن فطری طور پر نمو پذیر اور تغیراتِ زمانہ کی رعایت کا حامل تھا۔آپ حالاتِ زمانہ کی مکمل آگاہی رکھتے تھے اور قومی وبین الاقوامی حالات کے مدوجزر پر آپ کی گہری نظر تھی اور اس عمل نے آپ کو حقیقت پسندی وعملیت پسندی کے بہت قریب کر دیا تھا۔ چنانچہ آپ افراط وتفریط، تخیل پسندی اور دین کے رومانوی وغیر عملی تصور سے کوسوں دور تھے۔اس حوالے سے آپ بعض علماء کی پرانی سوچ اور عصری تقاضوں سے لاعلمی پر تنقید کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ ''پچپن سال سے ہمارے اکثر علماء اس پرانی سوچ اور طریقہ پر اڑے ہوئے ہیں جو ہمارے بزرگوں نے انگریز کے دورِ غلامی میں عارضی طور پر مسلمانوں کو تحفظ دینے اور بچانے کا راستہ اختیار کیا تھا۔پاکستان بننے کے بعد علماء کو مکمل دین کی تعلیم کے فروغ اور مکمل دین کے غلبہ کا راستہ اختیار کرنے اور اسی کی رہنمائی دینے کی ضرورت تھی لیکن ہمارے علماء نے اس جامع سوچ کو نہ اپنایا اور اپنے آپ کو محض چند کتابوں کی درس وتدریس تک محدود کر لیا۔''[27]

مربیانہ اسلوبِ دعوت

آپ کا اسلوبِ دعوت مدرّسانہ نہیں تھا بلکہ مربیانہ تھا۔آپ ہمیشہ مختصر، سادہ اور جامع گفتگو فرماتے تھے۔آپ کے چھوٹے چھوٹے جملے بڑی بڑی تقریروں پر حاوی اور اپنے اندر وسیع مفہوم اور گہرائی لئے ہوتے تھے۔ہر شخص کو اس کے مناسبِ حال اور استعداد کے مطابق دعوت دیتے۔آپ ہمیشہ الفاظ کا انتخاب مخاطب کو پیش نظر رکھ کر کرتے۔مذہبی ماحول اور علماء کی ان کے مزاج کے مطابق رعایت رکھتے۔عصری تعلیم سے تعلق رکھنے والے حضرات سے ان کے معیار کا خیال رکھتے ہوئے گفتگو فرماتے۔سادہ مزاج اور کم پڑھے لکھے حضرات کے ساتھ انہی کے ماحول کے مطابق مثالیں دیتے اور ایک خاص علاقے کے ماحول ومزاج کے مطابق گفتگو فرماتے۔گویا یہ جوہر آپ میں کمال درجے کا تھا کہ ہر ایک کے حالات، ماحول، مزاج اور ذہنی استعداد کا خیال رکھتے ہوئے جامع و مختصر ترین گفتگو فرماتے۔ایک صاحب جو معاشی پریشانی وبدحالی کا شکار تھے، حضرت سے پوچھتے ہیں کہ آج کے دور میں سب سے بڑی نیکی کیا ہے؟آپ نے برجستہ جواب دیا: ''اللہ کی مخلوق سے ظلم دور کرنا۔''[28]

ایک مرتبہ ایک بے روزگار نوجوان نے اپنی بداخلاقی کا علاج دریافت کیا تو اس پر آپ نے فرمایا کہ:

> ''معاشی بدحالی سے اچھے اخلاق پیدا نہیں ہوتے، اس لئے معاشی حالات کی اجتماعی بہتری کی کوشش کرو، تمہارے اخلاق خود درست ہو جائیں گے۔''

آپؒ کے اسلوب دعوت میں تدریج کو بھی بنیادی حیثیت حاصل تھی۔کبھی کسی شخصیت یا جماعت پر تنقید نہیں کرتے تھے بلکہ فکر پر تنقید کرتے تھے۔اپنی بات کسی پر تھوپتے نہیں تھے بلکہ فکر وشعور کی دعوت دیتے اور اپنی عقل وبصیرت سے کام لینے کا کہتے تھے۔ماورائے عقل اور علمی موشگافی کے بجائے سادہ اور عقلی دلائل سے قائل کرتے۔جذباتی نوعیت کے سوالات اور اعتراضات کو انتہائی تحمل وبردباری سے سنتے اور ان کے جوابات دیتے تھے۔اپنی گفتگو میں قرآن وحدیث اور انبیاء واولوالعزم علماء ومشائخ کی سیرت اور کردار سے استشہاد کرتے۔گفتگو میں الجھاؤ اور فروعی اختلاف پر مبنی کوئی بات نہ ہوتی غلبہ دین اور اس کے فی زمانہ عملی تقاضوں پر بات ہوتی۔الغرض آپ میں نبوی اسلوبِ دعوت کی حکمت وبصیرت، موعظت حسنہ اور مجادلہ بالاحسن کے اوصاف بدرجہ اتم پائے جاتے تھے۔[29]

فرقہ واریت کی نفی

فرقہ واریت اور گروہیت انگریز سامراج کی ایسی چال تھی جس کے ذریعے اس خطے کی وحدت کو پارہ پارہ کیا گیا۔ ولی اللّٰہی جماعت نے ہمیشہ اس پالیسی کی مذمت کی اور مذہب کو گروہی مقاصد کے لئے استعمال ہونے کے خلاف شدید مزاحمت کی۔ بد قسمتی سے ہمارے بعض سادہ لوح مگر جذباتی طبقات آج بھی انگریز سامراج کی اس پرانی چال کا شکار ہو جاتے ہیں۔ آپ فرماتے تھے کہ :

''آج حنفی، توحیدی اور سنی ہونے کے اعتبار سے فرقہ واریت کا شدید تعصّب باہمی اتحاد کا مظاہرہ کر کے دینی انقلاب تو کبھی پیدا نہیں ہونے دیتا لیکن یہی فرقہ پرست عناصر، بے دین ظالم سرمایہ دار طبقے کے اشاروں پر ضرور جمع ہو جاتے ہیں۔ یہ لوگ، دہریہ جماعتوں اور شریعت کا مذاق اڑانے والوں کا ساتھ دے سکتے ہیں لیکن اپنی دینی جماعت سے مل کر نہیں چل سکتے۔''[30]

آپؒ نے فرقہ واریت کی جملہ اقسام اور مذہب کی گروہی تقسیم کی نفی کرتے ہوئے نوجوانوں میں اس کا فہم و شعور پیدا کرنے پر توجہ مرکوز رکھی۔ آپ کی مجلس میں گروہیت، فرقہ واریت اور مسلکی تعصب کی بات نہیں ہوتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ہر مکتب فکر کا نوجوان آپ سے بہت جلد مانوس ہو جاتا تھا۔ چنانچہ آپؒ فرماتے تھے کہ :

''مذہبی فرقوں، لسانی تنوع اور نسلی رنگا رنگی کا خاتمہ ناممکن ہے، البتہ اجتماعیت پسند نظام ان فرقوں میں فرقہ وارانہ ہم آہنگی پیدا کر دیتا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ آزاد قوموں میں کوئی فرقہ، غیر ملکی سازش کا آلہ کار نہیں بن سکتا جب کہ محکوم قوموں میں فرقے قومی تقسیم کا کردار ادا کرتے ہیں۔ پیروی کے لئے علماء حق کا انتخاب بھی ہم نے کسی خاندانی، خانقاہی یا گروہی عصبیت کی بناء پر نہیں کیا بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے دشمن کے ہاں وہی معیار ہے جو آزادی کے حقیقی مجاہدوں اور باشعور رہنماؤں کا ہوتا ہے۔''[31]

آپؒ اپنے قول و فعل سے ہمیشہ فرقہ واریت اور گروہیت کی نفی کرتے اور اس کے مقابلے میں اتحاد اور اجتماعیت کا درس دیتے تھے۔ یہ آپ کا وہ وصف ہے جو آج کل کے رہنماؤں میں بالکل ناپید ہے۔

نوجوانوں کی تربیت واصلاح کی اہمیت

۱۹۴۷ء کے خونچکاں واقعات نے ولی اللّٰہی جماعت کو دیگر قومی و ملی معاملات میں زیادہ مشغول رکھا اور نوجوانوں میں کام کے حوالے سے یہ میدان نظر انداز ہوتا رہا، جس کا بعض مفاد پرست جماعتوں نے کافی فائدہ اٹھایا اور نوجوانوں میں اسلامی تاریخ کے حوالے سے مایوسی و قنوطیت کو جنم دیا۔ لیکن شاہ سعید احمد رائے پوریؒ نے اپنے شیخ کے حکم اور دیگر اکابرین کی سرپرستی میں اس میدان کا مورچہ سنبھالا اور نوجوانوں کو اپنے قریب کر کے ان اثراتِ بد سے بچانے کی بھرپور جدوجہد کی۔ ایک طرف تو عصری تعلیم یافتہ نوجوانوں میں مایوسی کو ختم کیا اور مروجہ مذہبی نمائندوں کے برعکس ان کی ذاتی کمزوریوں سے قطع نظر کرتے ہوئے انہیں اپنے قریب کر کے ان کی عملی و فکری تربیت فرمائی تو دوسری طرف دینی تعلیم یافتہ نوجوانوں کو سچے اکابر اولیاء اللہ کا تعارف کروا کے ان میں وسعتِ نظری، فکر و شعور اور فہم و بصیرت کے اوصاف پیدا فرمائے۔

کہا جاتا تھا کہ آپ اپنے علمی اور خانقاہی مقام کا خیال نہیں رکھتے، نوجوانوں میں گھل مل جاتے ہیں، ان کی لایعنی باتیں سنتے رہتے ہیں لیکن کسی نے یہ نہیں دیکھا کہ حضرت نے اپنے اس انداز سے کتنے نوجوانوں کی زندگیاں بدل دیں اور اصل چیز تو یہی ہے کہ دلوں پر حکومت کی۔[32]

آپؒ کا طریقہ تربیت یہ تھا کہ نوجوانوں کی بات سنتے، ان کے مسائل پر غور کرتے اور انہیں ان مسائل پر فضائل کا درس دینے کی بجائے ان سے نکلنے کا حوصلہ دیتے اور انہیں یہ باور کرواتے کہ ان کے یہ مسائل کوئی اور حل نہیں کرے گا بلکہ انہیں خود ان اجتماعی مسائل سے نبرد آزما ہونے کے لئے سوسائٹی میں اپنا کردار ادا کرنا ہوگا۔ آپ ان کے ذہنی تناؤ اور دین کی اجنبیت کے ماحول سے نکال کر ان میں جرأت و بہادری کے اوصاف پیدا فرماتے۔ ان کے غصے اور شدت کا رخ موڑ کر نظام ظلم کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کا جذبہ پیدا فرماتے۔

ہمارے مذہبی حلقوں میں عصری علوم کے حامل نوجوانوں کے حوالے سے یہ تاثر پایا جاتا ہے کہ یہ لادین اور بے دین قسم کے لوگ ہیں۔ چنانچہ اگر کوئی نوجوان دین کی تفہیم کی غرض سے ان حضرات کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے تو ان کا پہلا حکم یہ ہوتا ہے کہ اپنا حلیہ تبدیل کر کے آئیں مگر اس عمل سے نوجوان میں نفرت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کا طریقہ تربیت اس سے مختلف تھا، چنانچہ آپ نوجوانوں کے پاس خود چل کر جاتے اور انہیں پہلی ہی ملاقات میں ''جنید بغدادی'' بنانے کی کوشش نہیں کرتے تھے بلکہ تدریجی عمل کا خیال رکھتے ہوئے ان کے نفوس و قلوب پر محبّت و شفقت کے ذریعے محنت کرتے اور ان میں دین کا صحیح فہم، اکابر اولیاء اللہ سے محبت اور عصری تقاضوں سے نبرد آزما ہونے کی صلاحیت پیدا فرماتے تھے کہ نوجوانوں کو وعیدیں سنا کر نہیں، بلکہ نویدوں اور بشارتوں سے ان کے قلوب و اذہان میں دین سے محبت پیدا فرماتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر طبقہ فکر و نظر کا نوجوان حضرت کی شفقت و محبت اور نظریات و خیالات سے متاثر نظر آتا ہے۔[33]

ایک زمانہ گواہ ہے کہ آپؒ کا اکابر اولیاء اللہ سے تعلق محض اظہارِ عقیدت کی حد تک یا گرمی مجلس گفتار کے لئے یا اپنا قد کاٹھ اونچا کرنے کے لئے نہ تھا، بلکہ آپؒ نے ان اکابر کے فکر و کردار میں اپنے آپ کو فنا کیا ہوا تھا۔ آپؒ نے کالجز اور یونیورسٹیز کے ان نوجوانوں کو اپنا مخاطب بنایا، جن کے ذہنوں میں برعظیم کی تقسیم کے نتیجے میں آزادی پسند علمائے حق کے بارے میں نفرت پیدا کرنے کے جتن کئے جا رہے تھے۔ چنانچہ اپنے روحانی منصب کے روایتی تاثر کے برعکس نوجوانوں میں اس طرح گھل مل گئے کہ نوجوانوں کو دینِ حق کا اور دین کی آزادی خواہ شخصیات کا گرویدہ بنا دیا۔[34]

شاہ سعید احمد رائے پوریؒ نے اکابرِ حق کے نام کی محض مالا جپنے والے حلقوں کے برعکس نوجوانوں کے اس حلقے میں اپنی پوری زندگی کھپا دی، جو ان اکابر اولیاء اللہ کے ناموں سے ہی ناواقف تھا یا ان کے نام سے بدکتا تھا۔ آپؒ نے مذہبی حلقوں کی روایتی تقسیم سے بالاتر ہو کر ہر مکتب فکر کے نوجوان کو اپنے سینے سے لگا کر سچے بزرگوں سے منسلک کر دیا۔

آپؒ علمائے کرام کو اس جانب متوجہ کرتے رہتے کہ وہ مسلط نوآبادیاتی نظام کے مرکز کو ہدفِ تنقید بنائیں، نہ کہ اس کے اثرات کی وجہ سے نوجوانوں کی ظاہری شخصیت سے نفرت کریں۔ آپؒ حریت پسند نوجوان طاقت کو اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا ہراول دستہ قرار دیتے تھے۔ آپؒ فرمایا کرتے تھے کہ:

> ''ہم (مذہبی حلقہ) دین کے کس طرح کے نمائندے بنے ہوئے ہیں؟ ہم نے تو اپنے ''تقدس'' کے دفاع کا پروگرام بنا رکھا ہے۔ اگر ہم دین سے مخلص ہیں تو نوجوان سے صلح کرنا پڑے گی اور اس کو مطمئن اور منظم کرنا پڑے گا۔''[35]

اسی لئے آپؒ نے ان نوجوانوں کو دین سے مانوس کرنے کے لئے اپنی مصروفیات میں ذاتی مشاغل کا کوئی خانہ رکھا ہی نہیں حتی کہ اپنی گھریلو

مصروفیات کو بھی اپنی ترجیحات میں نمایاں جگہ نہ دی۔ ایک موقع پر آپؒ نے نوجوانوں کے اجتماع کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

"میرا بڑی عمر کے لوگوں سے ملنا کم ہوتا ہے کہ میرا میدانِ عمل طلبا ہیں، جو حصولِ علم میں مصروف ہوتے ہیں۔ ان کا وقت قیمتی ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے مستقبل کی تعمیر کرنی ہے۔ اس لئے میں ان کے دروازے پر جانا اپنے لئے اعزاز سمجھتا ہوں۔ میں نے اس کی کبھی پرواہ نہیں کہ کہ کون مجھے ملنے آیا ہے اور کون نہیں۔ میں تو ایک ایک طالب علم کے پاس گیا ہوں۔"[36]

آپؒ نے نوجوانوں کی تنظیم میں دینی اور فنی علوم کے طلبا کو شیر وشکر کر کے ملک میں "تقسیم کرو اور حکومت کرو" (Divide & Rule) کے سامراجی نظام کے خلاف عملی جدوجہد کی سنجیدہ اور نتیجہ خیز کاوش کی بنیاد ڈالی۔ چنانچہ آپؒ کے حلقہ فکر میں نظام کی پیدا کردہ اس تفریق کی لکیریں تک مٹادی گئی ہیں۔

نوجوانوں کے لئے آپؒ کی دعوت و تربیت کا اساسی نکتہ ان کی شعوری صلاحیت کو بیدار کر کے ان کو نظام کے دباؤ، منفی پروپیگنڈے کے اثرات اور ہجوم کی سیاست کی مرعوبیت سے نکال کر ان میں خوداعتمادی کو فروغ دینا تھا۔ اسی لئے آپؒ نے اپنی شخصیت کے مصنوعی وقار اور بناوٹی رعب ودبدبے سے کبھی کام نہیں لیا۔ اسی لئے پیرانہ سالی میں بھی ایک نوخیز نوجوان آپؒ سے بے تکلف بات کرتا اور بے دھڑک سوال کرتا تھا۔ آپؒ نے اپنے معمولات کے نام پر کبھی کسی کو ملنے سے منع نہیں کیا۔ علالت و نقاہت کی کیفیت میں بھی آرام اور علاج کے تقاضے پر بھی نوجوانوں کے ساتھ علمی وفکری نشست کو ترجیح دی۔ آپؒ کی نوجوانوں کو دعوتِ مسلسل یہ تھی کہ:

"اٹھو! حالات کو سمجھو! مسجد کو نہ چھوڑو! تفرقہ ختم کرو۔ اعلیٰ مقاصد اپناؤ۔ اپنی طاقت مت ضائع کرو۔ آلہ کار نہ بنو۔ جذباتی مت بنو۔ جذباتی نعرے مت قبول کرو۔ بارود کی بجائے علم اور عقل کے ہتھیار اپنے ہاتھ میں لو اور آگے نکلو۔ جو نوجوان باشعور ہوتا ہے، وہ قوموں کے رُخ بدل دیتا ہے۔ دشمن کی چالوں کو گہرائی اور عقل کی خوردبین سے سمجھو۔ باشعور نوجوان قیادت، ملک و قوم کی بلندی اور غلبہ دین کے لئے فریضہ اول کی حیثیت رکھتی ہے۔"[37]

آپؒ کے نزدیک تزکیہ وطریقت اور اخلاصِ فکر و عمل کے بغیر "گرمیٔ افکار اور جوشِ گفتار" سے "مفاداتی سیاست گردی" تو فروغ پاسکتی ہے، مگر اس سے معاشرے اور سماج میں مؤثر تبدیلی کی توقع خام خیالی کے سوا کچھ نہیں۔ آپؒ فرماتے تھے کہ:

"ہم نوجوانوں کو زیادہ سے زیادہ شعور کی آزادی دینا چاہتے ہیں، لیکن تربیت سے آزاد نہیں کرنا چاہتے۔ ان کو باشعور، اعلیٰ صحبت اختیار کرنا ہوگی۔ اعلیٰ استاد کی صحبت ہی شاگرد کو لائق بناتی ہے، جس کے نتیجے میں اپنی ذاتی رائے اور انفرادی سوچ کو اجتماعی اور مرکزی فیصلے پر قربانی کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور اسے کامیاب بناتا ہے۔"[38]

شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کی دعوت مختصر الفاظ میں؛ سوچنے سمجھنے اور درست راہ میں اخلاص کے ساتھ جرأت مندانہ قدم اٹھانے کی دعوت تھی۔ آپؒ شدت پسندی کے مقابلے میں اعتدال پسندی، جذباتیت کی بجائے شعور و ہوش مندی، جزوی اصلاح کی جگہ ہمہ گیر انقلاب، ذاتی مصالحت اور مفاداتی مفاہمت کے بجائے جرأت و کردار اور قربانی ذات کی حامل شخصیت کے مالک تھے۔ اس کے منادی بھی اور مرشد بھی۔ آپؒ کو اس بات کا مان اور کامل یقین تھا کہ:

''ہم اہل حق سے وابستہ ہیں۔ ہمارا علم و فکر علمائے حق سے ماخوذ ہے۔ ہمارے ہاں دین کی تعبیر؛ صحابہ کرامؓ، ائمہ اور اسلاف کے حوالے سے ہے۔ ہم نے اپنی ترقی اور تربیت کے لیے ولی اللّٰہی جماعت منتخب کی ہے۔ ہمارے پاس اسی جماعتِ حقہ کا لٹریچر ہے۔ واشنگٹن کی سیاست یا شکاگو یونیورسٹی کی ڈگری ہمارے علم کی بنیاد نہیں۔''[39]

اقتداری مذہب پر تنقید

شاہ سعید احمد رائے پوریؒ دین حق کو گروہی مقاصد کے لئے استعمال کرنے کی سیاست کے شدید ناقد تھے اور اس کو غلبہ دین کے قرآنی نصب العین کے لئے سخت نقصان قرار دیتے تھے۔ اسی لئے ملکی و بین الاقوامی سیاست میں مذہب کو اقتداری مقاصد کے حصول کے لئے آلہ کار بنانے کی پالیسی بنانے والوں کے عزائم کو بے نقاب کرتے رہے۔ اس کے برعکس آپؒ ایسی قومی تحریکات کے حامی تھے، جنہوں نے عالمی سطح پر امریکی سامراج کو چیلنج کیا۔

شاہ سعید احمد رائے پوریؒ مذہبی طبقے کی مروجہ سوچ اور طرزِ عمل پر کڑھتے اور اظہار افسوس کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ وہ سچے اولیاءاللہ کے مشن کو سمجھیں اور اس پر عمل پیرا ہوں۔ چوں کہ آپؒ کے پیش نظر اپنے دور کے باکردار، استقامت کے کوہِ گراں اور عقل و دانش کی مینار شخصیات تھیں، اس لئے آپؒ اکابر کے نام لیواؤں کو ان بزرگوں کی سیرت و کردار یاد دلاتے اور جب کہ ان کی موجودہ روش کو دین کے حقیقی تشخص کے لئے روگی قرار دیتے تھے۔ آپؒ چاہتے تھے کہ دینی مدارس کے نظام تعلیم میں آج کے معاشی و سیاسی نظاموں کے بارے میں شعور بیدار کرنے والا فکر اور سرمایہ داری اور سامراجی نظاموں کے داؤ پیچ کو سمجھنے والی حکمت کا مطالعہ شامل کیا جائے، تاکہ ذرائع ابلاغ اور لٹریچر کے پروپیگنڈے کی حقیقت سے آگہی حاصل ہو سکے۔ کیوں کہ آپؒ کی رائے میں :

''اگر قومیں باشعور اہل فکر کی بجائے سادہ لوح نیک لوگوں سے سیاسی رہنمائی لینے پر آجائیں تو سینکڑوں سال پیچھے چلی جاتی ہیں کہ ایسے لوگ جلد دھوکے میں آجاتے ہیں۔ اسی طرح کے لوگوں کے ہاں معاشی عدل کے نظام سے زیادہ سزاؤں کا نظام، نفاذِ اسلام کے ہم معنی ہے۔''[40]

آپؒ ملک میں نوآبادیاتی نظامِ تعلیم کی باقیات پر مبنی نظام تعلیم کو شعور دشمنی اور فرسودگی کی علامت قرار دیتے ہوئے، اس سے جنم لینے والی افسر شاہی کو ملکی مفادات کا سوداگر بتاتے تھے۔ جس نے ملک کے ہر شہری کو قرضوں میں جکڑ کر رکھ دیا ہے اور اس کی معاشی و سماجی زندگی تباہ کر کے رکھ دی ہے۔ اس کو جرائم پیشہ اور خودکشی کے راستے پر لا کھڑا کیا ہے۔ آپؒ اس طرح کے مفاد پرست طبقے کی موجودگی میں نفاذِ شریعت کے جزوی منصوبوں کو کسی طور پر مفید اور بارآور ہونے کی سوچ کو نہایت سطحی خیال کرتے تھے۔

سامراج کی مخالفت

شاہ سعید احمد رائے پوریؒ بین الاقوامی سیاست کے حوالے سے واضح اور دوٹوک مؤقف رکھتے تھے کہ دنیا کی مظلوم اقوام کو درپیش مسائل کا بنیادی سبب امریکی سامراج کی منافقت اور مکاری پر مبنی پالیسی ہے، جس کو مقامی سطح پر مذہبی حلقوں سمیت ملک کے اہم حلقوں میں رسائی حاصل ہے۔ آپؒ ایوب دور سے ہی امریکی سامراج کو بے نقاب کرتے چلے آرہے تھے، جب کہ آج کی ''امریکا مخالف'' مذہبی و سیاسی جماعتیں اس کی گود میں پرورش پا رہی تھیں اور اس کی اپنے دشمنوں کے خلاف جنگ کو ''اسلامی جہاد'' کے عنوان سے پیش کرنے کو دین اسلام کا فریضہ تصور کرتی تھیں۔

آپؒ نے جس ماحول اور جن بزرگوں سے تربیت پائی تھی ان میں سامراج دشمنی کو بہت اہمیت حاصل تھی۔آپ نے اپنے ولی اللٰہی اکابرین کے طرزِ عمل پر ذاتی مفادات اور فوائد کے لئے سامراج سے کبھی صلح نہیں کی۔آپ نے سامراجی نظام کی آلہ کار جماعتوں اور تحریکات کا تعاقب کیا اور نوجوانوں کو ان وقتی اور جذباتی تحریکات میں سامراج کے آلہ کار کے طور پر استعمال ہونے سے روکے رکھا۔آپؒ کی اصل توجہ پاکستان میں اسلام کے نام سے سامراجی فکر کو شکست دینا تھی۔آپ نے نہایت تدبیر، عقل مندی، دور اندیشی سے ولی اللٰہی نوجوانوں کو سامراج دوست تحریکوں کے چنگل میں جانے سے بچائے رکھا۔

آپؒ کا خیال تھا کہ اس خطے کی سیاسی، سماجی اور مذہبی انتشار کا باعث انگریز سامراج کا جدید نوآبادیاتی نظام ہے جس نے ہماری قومی اور فکری وحدت کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔لیکن ہمارے علماء ان خرابیوں اور انتشار کے شکار نوجوانوں پر تو تنقید کرتے ہیں لیکن سامراج کے مسلّط کردہ اس نظام کو ہدفِ تنقید نہیں بناتے جو لوگوں کے اخلاقی، روحانی اور معاشی پسماندگی کا باعث بن رہا ہے۔[41]

آپؒ برعظیم میں انگریز سامراج کے کردار کا گہرا مطالعہ اور سامراج کی حکمت عملی اور چالوں پر گہری نظر رکھتے تھے۔لوگ اس وقت تک بارش کا یقین نہیں کرتے جب تک کہ وہ برس نہ جائے لیکن سمجھ دار کاشتکار ہوا کا رخ اور خوشبو سے اندازہ لگا لیتے ہیں کہ بارش ضرور ہوگی بالکل یہی صلاحیت سامراج کی حکمت عملیوں اور سازشوں کے حوالے سے آپؒ میں پائی جاتی تھی۔اکثر ایسا ہوتا کہ وقت کے عمومی وظاہری حالات کے پیش نظر سامراج کی حکمت عملی کے حوالے سے آپؒ کا تجزیہ درست نہ لگتا لیکن بعد کے حالات سے ثابت ہوتا کہ ان کا تجزیہ بالکل درست تھا۔

عدم تشدد کی حکمت عملی

شاہ سعید احمد رائے پوریؒ ملک پر مسلط نظام ظلم کے سخت خلاف تھے اور ولی اللٰہی فکر کی اساس پر اسے تبدیل کر کے ملک میں صالح نظام کے قیام کے داعی تھے۔آپ کا نقطہ نظر یہ تھا کہ قانون کی جزوی تبدیلی سے نظام تبدیل نہیں ہوا کرتے بلکہ امام شاہ ولی اللہ دہلوی(۱۷۶۲ء) کی اصطلاح ''فک کل نظام'' کی بنیاد پر نظام ظلم کو ختم کیا جانا ضروری ہے۔اس مقصد کے حصول کے لئے آپ جذباتیت اور رومانویت کی بجائے حقیقت پسندی اور عملیت پسندی کے قائل تھے اور ٹھوس تنظیمی صلاحیت اور قومی شعور کے حصول کے بعد عدمِ تشدد کی اساس پر نظام کی تبدیلی کی بات کرتے تھے۔آپؒ خود فرماتے تھے کہ:

عدمِ تشدد سے ہماری یہ مراد ہے کہ قوموں کو لڑانے کی بجائے تنظیمی اور شعور صلاحیت اس کے اندر پیدا کی جائے، ہم یہاں تشدد کریں گے تو یہاں سارے مسلمان ہیں وہ آپس میں لڑ لڑ کر مریں گے۔سامراج کی ناکامی اسی میں ہے کہ اپنے اندر تنظیمی، شعوری صلاحیت پیدا کی جائے، لڑائی وغیرہ تو حکومت ناگزیر حالات میں کرتی ہے، حتی الوسع سیاسی حکمت عملی سے مسائل حل کیے جاتے ہیں۔ہمارے ہاں بعض جماعتیں اس ولی اللٰہی فلسفہ پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے ماضی میں سامراج کے مذموم عزائم اور مقاصد کے لئے بڑی سادہ لوحی سے استعمال ہوتی رہی ہیں لیکن حضرتؒ تمام زندگی نظام کی تبدیلی کے لئے عدمِ تشدد کے اصول پر کاربند رہے اور اسی اصول پر اپنی جماعت کو تیار کیا۔[42]

شاہ سعید احمد رائے پوریؒ نے جس دانائی اور تدبر سے اسلام کے تمام شعبوں؛ شریعت، طریقت اور سیاست کے مابین توازن پر مبنی دینی فکر کو فروغ دیا، نہ صرف یہ، بلکہ آپؒ نے اس فکر سے منسلک نوجوانوں کی تربیت کی صبر آزما، مگر نتیجہ خیز جدوجہد کی۔ وہ اس دور کا ''تجدیدی کارنامہ'' کہلانے کا استحقاق رکھتا ہے۔ حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے دینی فکر کے متعدد شعبوں اور مکاتب کے مابین توازن کے جس نظریے کو متعارف کرایا، شاہ سعید احمد رائے پوریؒ نے اس کے عصری تقاضوں کی تعیین، اور پھر تشکیل و تنظیم کی حکمتِ عملی کی داغ بیل ڈالی، جو صراطِ مستقیم کے آج کے تقاضوں کی شعوری بنیادوں پر غمازی کرتی ہے۔ ان کے ہاں متوازن حکمتِ عملی کا لازمی جزو ''غلبہ دین'' کے لیے ''سیاسی بصیرت'' کا ہونا اور ''روحِ عصر'' سے آگہی کا ہونا ہے۔ جو آج کے مفاداتی مذہبی طبقے کو کسی طرح گوارہ نہیں کہ وہ افسوس ناک حد تک اپنی ''آلۂ کار'' اور تابع حیثیت کو ہی مذہبی تقاضا گردانتا ہے۔[12]

حضرت رائے پوریؒ نے اپنی جہدِ مسلسل سے پاکستانی معاشرے میں ولی اللّٰہی فکر سے آراستہ باشعور نوجوان طاقت کو تنظیم کے مرحلے میں لا کھڑا کیا اور اپنے فکر و عمل کی توانائی اپنی تربیت یافتہ جماعت میں منتقل کر کے خود بطور ''نفسِ مطمئنہ'' اپنے ربّ کے حضور سرخرو ہو گئے ہیں۔ آپؒ سے وابستہ نوجوان، آپ کی متعین کردہ راہِ عمل پر گامزن ہو کر اگلے مراحل کی طرف بڑھنے کے لیے اپنی بھرپور توانائی کے ساتھ مصروفِ عمل ہیں۔

اللہ تعالیٰ حضرت شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کی انتھک دینی جدوجہد کو اعلیٰ ترین شرفِ قبولیت عطا کرے۔ ان کے درجات کو بلند سے بلند تر فرمائے۔ آمین!

حواشی وحوالہ جات

[1]۔ رائے پوری، مفتی عبدالخالق آزاد، **مشائخ رائے پور**، دارالتحقیق والاشاعت، لاہور، ۲۰۰۶ء، ص۱۷۹۔

[2]۔ حسان، محمد انس، **ولی اللّٰہی فکر کے فروغ میں مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری کا حصہ**، مقالہ ایم فل، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان، ۲۰۱۳ء، ص ۱۰۵۔۱۰۷۔

[3]۔ ندوی، مولانا ابوالحسن علی، **سوانح شاہ عبدالقادر رائے پوری**، ص ۱۴۵۔

[4] حسان، **ولی اللّٰہی فکر کے فروغ میں مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری کا حصہ**، مجلس نشریات اسلام، کراچی، ص ۱۰۸۔

[5]۔ رائے پوری، مفتی عبدالخالق آزاد، **مشائخ رائے پور کے نام اکابر علما و مشاہیر کے مکاتیبِ گرامی**، مفتی سعید احمد، **مکتوب بنام مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوری**، ۱۸صفر ۱۳۶۶ء/۲ جنوری ۱۹۴۸ء۔

[6]۔ حسان، **مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری کا حصہ**، ص ۱۱۰۔

[7]۔ مفتی عبدالخالق آزاد، **مشائخ رائے پور**، ص ۱۸۵۔

[8]۔ سعید الرحمٰن، مفتی، **حکمت و عزیمت**، مجلہ شعور و آگہی، ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ لاہور،، جلد ۵، شمارہ ۱، جنوری—مارچ ۲۰۱۳ء، ص ۲۰۔

[9] حسان، **مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری کا حصہ**، ص ۱۱۱۔

[10]۔ رائے پوری، عبدالخالق آزاد، **حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری؛ حیات و خدمات**، جلد ۴، شمارہ ۴، اکتوبر۔ستمبر ۲۰۱۲ء، ص ۱۹۔

[11]۔ حسان، **مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری کا حصہ**، ص ۱۱۲۔۱۱۳۔

[12]۔ محولہ بالا۔

[13]۔ محولہ بالا۔

[14]۔رائے پوری، **مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری؛حیات وخدمات**، ص ۲۵۔

[15]۔ایضاً ص ۲۷۔

[16]۔**دستور تنظیم فکر ولی اللہی پاکستان**، شعبہ نشر واشاعت لاہور، ۲۰۰۱ء۔

[17]۔ حسان، **مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری کا حصہ**، ص ۱۲۱۔

[18]۔رائے پوری، **مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری؛حیات وخدمات**، ص ۳۴۔

[19]۔ ترمذی، محمد بن عیسی، **جامع ترمذی**، دار العرب الاسلامی بیروت، ۱۹۹۸، ج۵، ص ۱۴۹۔

[20]۔ شاہد رشید پروفیسر ،**ماہنامہ البرہان** لاہور ج ۱۶، شمارہ نمبر ۱۸، اکتوبر ۲۰۱۲ء ص ۵۰۔

[21]۔ خاں، سعد احمد، **ایک ولی کی آغوش میں**، ماہنامہ رحیمیہ لاہور، ج ۵، شمارہ ۱۰، اکتوبر ۲۰۱۳، ص ۹۔

[22]۔ حسان، **مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری کا حصہ**، ص ۱۳۶۔۱۳۷۔

[23]۔ سندھی، عبداللہ عابد، **عالم میں تجھ سے لاکھ سہی، تو مگر کہاں**، مجلہ عزم سیریز ملتان نمبر ۲۶۵، جنوری تا مارچ ۲۰۱۳ء۔ ص ۱۹۔

[24]۔ خاں، سعد احمد، **ایک ولی کی آغوش میں**، ص ۱۰۔

[25]۔ حسان، **مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری کا حصہ**، ص ۱۳۸۔

[26]۔ خطاب حضرت مولانا رائے پوریؒ، خیر پور میرس سندھ (ترتیب غلام مصطفی فوز)، مجلہ عزم سیریز ملتان، نمبر ۲۶۲، ستمبر ۲۰۱۲ء، ص ۶۔

[27]۔ حضرت مولانا رائے پوریؒ کا مدارس کے اساتذہ کرام کی ورکشاپ سے خطاب (ترتیب ڈاکٹر محمد ناصر)، مجلہ عزم سیریز ملتان، نمبر ۲۴۹، نومبر ۲۰۱۰ء، ص ۱۳۔

[28]۔ حافظ محمد شفیق، **حضرت مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کا مشن و نظریہ، اوصاف وخوبیاں**، ماہنامہ رحیمیہ لاہور، ج ۵، شمارہ ۴، اپریل ۲۰۱۳ء، ص ۱۱۔

[29]۔ حسان، **مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری کا حصہ**، ص ۱۴۵۔

[30]۔ حضرت مولانا رائے پوریؒ کا جمعیۃ طلباء اسلام کے مرکزی اجلاس سے خطاب (ترتیب حافظ محمد طاہر)، مجلہ عزم سیریز لاہور، نمبر ۳۸، جولائی ۱۹۸۱ء، ص ۸۔

[31]۔ محولہ بالا۔

[32]۔ سعید الرحمٰن، مفتی، **حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ کا طریقہ تعلیم وتربیت**، ماہنامہ رحیمیہ لاہور، ج ۴ شمارہ ۱۰-۱۱، اکتوبر۔نومبر ۲۰۱۲ء، ص ۱۲۔

[33]۔ حسان، **مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری کا حصہ**، ص ۱۳۱۔

[34]۔ سعید الرحمن، مفتی، **امام حکمت وعزیمت**، مجلہ شعور وآگہی لاہور، ج ۵، شمارہ ۱، جنوری۔مارچ ۲۰۱۳ء، ص ۱۰۸۔

[35]۔ حضرت مولانا رائے پوریؒ کا تنظیم فکر ولی اللہی کے مرکزی کنونشن میں خطاب، مجلہ عزم سیریز لاہور، نمبر ۷۷، اپریل ۱۹۸۸ء، ص ۸۔

[36]۔ حضرت مولانا رائے پوریؒ کا جمعیۃ طلباء اسلام کے اجلاس سے خطاب، مجلہ عزم سیریز لاہور نمبر ۸، جون ۱۹۷۶ء، ص ۱۸۔

[37]۔ حضرت مولانا رائے پوریؒ کا تنظیم فکر ولی اللہی کے مرکزی کنونشن سے خطاب، ص ۷۔۱۳۔

[38]۔ حضرت مولانا رائے پوریؒ کا سیرت حضرت ابو بکر صدیق کے اجتماع سے خطاب، مجلہ عزم سیریز لاہور، نمبر ۳۰، مئی ۱۹۸۰ء، ص ۱۱۔

[39]۔ حضرت مولانا رائے پوریؒ کا تنظیمی ذمہ داران سے خطاب (ترتیب عابد الرشید)، مجلہ عزم سیریز ملتان، نمبر ۸۷، مارچ ۱۹۹۰ء، ص ۵۔

[40]۔ حضرت مولانا رائے پوریؒ کا لاہور میں خطاب (ترتیب حافظ محمد طاہر)، مجلہ عزم سیریز لاہور، نمبر ۳۹، ستمبر ۱۹۸۱ء، ص ۷۔

[41]۔ حضرت مولانا رائے پوریؒ کا انٹرویو (رپورٹ ڈاکٹر محمد ناصر وچوہدری رشید احمد)، مجلہ عزم سیریز ملتان، نمبر ۲۳۶، اکتوبر ۲۰۰۸ء ص ۱۴۔

[42]۔ حسان، **شاہ سعید احمد رائے پوری کا حصہ**، ص ۳۲۶۔